تقسیم ہند سے پہلے صوبہ خیبر پختونخوا میں اردو ادب اور شعر و شاعری کی ترویج: ایک جائزہ

الطاف اللہ*
محمد الیاس**
بہار علی***

It is generally perceived that the province of Khyber Pakhtunkhwa (previously known as NWFP) remained far behind in the promotion of Urdu language and literature and no proper attention had been paid to this cause in the areas of Khyber Pakhtunkhwa but the reality speaks something different. This article explores an historical account of Urdu language and literature in the province in the pre-partition era. It deals with the initial struggle made by different quarters for the uplift of Urdu language and literature in the environs of this province and comprehensively discussed the contribution of different scholars, poets and other men of art and literature who played their extra-ordinary role in this respect. Although this land is dominated by a majority of Pakhtun population yet they took an active part in the promotion of Urdu language and literature and established different organizations for this purpose.

---

* ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت پاکستان، مرکز فضیلت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔
** لیکچرر، مطالعہ پاکستان، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، چارسدہ، خیبر پختونخوا۔
*** ویزٹنگ فیکلٹی، شعبہ مطالعہ پاکستان، گورنمنٹ سپیریئر سائنس کالج، پشاور اور ایم فل سکالر، مطالعہ پاکستان، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور۔

اُردو نہ صرف قومی زبان ہونے کے ناطے اہمیت کی حامل ہے بلکہ ہمارے ملک کے طول وعرض میں آسانی سے سمجھی جاتی ہے۔ یہ زبان کئی اہم زبانوں کے سرچشموں سے سیراب اور مختلف تہذیبوں اور تمدنوں سے مستفید ہوئی ہے۔ اس لیے اس زبان نے تمدن کی تمام ضروریات اور تمام زبانوں کی خصوصیات اپنے اندر جذب کر لی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں صدیوں کے اختلاط سے مختلف تہذیبوں کے میل ملاپ اور آمیزش سے مستقل شکل کا جو آمیزہ تیار ہوا وہ اُردو زبان کہلانے لگا۔۱ خیبر پختونخوا (سابقہ شمال مغربی سرحدی صوبہ) میں اُردو زبان و ادب کے ارتقاء کا تحقیقی اور تاریخی پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر جائزہ لیا جائے تو اس صوبہ میں بیسویں صدی کے وسط تک ادبی سرگرمیاں عروج پر نظر آتی دکھائی دیتی ہیں۔ اگرچہ یہ دور امن و آشتی کا نہیں بلکہ جنگ و جدل اور سیاسی بحران کا دور تھا۔ اس دور میں خیبر پختونخوا کا تقریباً زیادہ تر حصہ انگریزوں کی عمل داری میں شامل ہو چکا تھا۔ اس عرصہ میں جو انگریز اعلیٰ عہدیدار اس علاقے میں متعین ہوئے ان کو ملازموں کی ضرورت پڑی اور اس امر کی ضرورت درپیش ہوئی کہ مقامی لوگ ملازم رکھے جائیں اور ایسا ہی ہوا۔ اِن ملازمین میں اکثریت اُردو شعراء کی تھی اور بعض ہندکو اور فارسی میں شعر و شاعری کرتے تھے۔ جنہوں نے یہاں ادبی محفلیں سجائیں جن کی بدولت یہاں ادبی فضاء قائم ہوئی۔ بقول فارغ بخاری ''ان بیرونی شعراء کو دیکھ کر ادبی سرگرمیوں نے مقامی لوگوں میں رقابت کا جذبہ پیدا کیا اور ان سب نے فارسی اور ہندکو کے ساتھ ساتھ اُردو شاعری بھی شروع کر دی۔ مشاعرے بھی کرنے لگے اور ادبی مجالس بھی قائم ہونے لگیں''۔۲

خیبر پختونخوا میں اگر کوئی تعلیمی ادارہ اُردو زبان و ادب کے فروغ کیلئے خراج تحسین کے لائق ہے تو وہ اسلامیہ کالج پشاور ہے۔ اس ادارے نے جہاں تعلیمی ماحول مہیا کر کے ادبی فضاء قائم کی وہاں لوگوں کے شعور کو بھی اجاگر کرنے کی سعی کی۔ یہاں پر اہل زبان، علم دوست اور ماہرینِ اُردو زبان و ادب کی آمد نے لکھنو، دہلی اور فورٹ ولیم کالج جیسا ادبی پلیٹ فارم مہیا کیا۔ جس سے ادبی راہیں متعین ہوئیں اور اُردو زبان و ادب کی پذیرائی میں خاصہ اضافہ ہوا۔۳ بقول محمود الحسن کوکب ''اِسلامیہ کالج نے روشنی کا مینار بن کر یہاں کی تیرہ و تار فضاؤں میں علم و ادب کی روشنی پھیلا دی۔ پنجاب، دہلی، لکھنو اور حیدرآباد دکن وغیرہ سے آئے ہوئے اساتذہ اور پروفیسروں نے جو خود بھی ادیب تھے، یہاں کے پڑھے لکھے لوگوں میں اُردو ادب کا صحیح ذوق پیدا کیا۔''۴

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے بعد صوبہ خیبر پختونخوا میں اُردو زبان و ادب کی ترویج بہ تسلسل جاری رہی۔ اُردو زبان و ادب کی ترقی میں صحافت کے شعبہ نے بلا شبہ ایک اہم کردار ادا کیا۔ صحافت کے میدان میں سب سے پہلا ماہنامہ نغمہ حیات تھا جس کے لکھاریوں نے اُردو زبان و ادب کی حد درجہ خدمت کی۔ اِن میں یوسف شاد، یعقوب نظر، مجید شاہد کے نام سرفہرست تھے۔ سنگ میل کا اجراء ۱۹۴۸ء میں ہوا، جس سے اُردو زبان و ادب کو بڑی تقویت ملی۔ اس ادبی پرچے سے وابستہ قتیل شفائی، خاطر غزنوی اور احمد ندیم قاسمی ایسے بے مثال لوگ اپنی تخلیقات کے ساتھ شامل ہوتے رہے۔ اِسی سال ہفت روزہ تنویر بھی شائع ہوا۔۵ تقریباً پانچ سال بعد یعنی ۱۹۵۳ء میں رسالہ زندگی کمال حیدر آبادی، یوسف النساء بیگم اور انیس غزنوی کی زیرِ نگرانی شائع ہوا۔ اگلے سال ہفت روزہ لوح وقلم پشاور سے شائع ہونا شروع ہو گیا۔ اس کو عارف ندا اور خاطر غزنوی کی سرپرستی حاصل رہی۔ اِس طرح صحافت کے شعبے نے اپنا کمال دکھایا اور پورے خیبر پختونخوا سے ایک کثیر تعداد میں رسائل و جرائد کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔۶

اِن رسائل و جرائد کے علاوہ ادبی انجمنوں کا تذکرہ بے محل نہ ہو گا۔ اُردو زبان و ادب کے تمدن میں جس طرح دوسرے شعبوں نے خاصا کردار ادا کیا، اسی طرح ادبی انجمنوں اور محفلوں نے بھی اپنا حق بخوبی ادا کیا۔ ان ادبی محفلوں کے ذریعے ادب میں شعور و آگہی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو ادب جدیدیت سے روشناس ہوا۔ ان ادبی محفلوں کی بدولت مشاعرے منعقد اور افسانے پیش کیے جاتے تھے۔ ان انجمنوں نے نئے قلمکار ہی پیدا نہیں کیے بلکہ اُن کی فنی تربیت بھی کی، ان کی تخلیقات کو نکھارا اور ان میں نئی روح پھونکی۔ ان ادبی سرگرمیوں کی وساطت سے خاطر غزنوی کچھ یوں رقم طراز ہیں: ’’ قیام پاکستان سے پیشتر اور بعد کئی ادبی انجمنوں اور تنظیموں نے ملک گیر اثرات مرتب کیے، ’انجمن حمایت اسلام‘ اور ’انجمن ترقی اردو‘ نے زبان و ادب کی اشاعت اور تحقیق کے میدان میں جو کام کیا ہے وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی نہیں مٹ سکتا‘‘۔۷

خیبر پختونخوا کا پہلا باقاعدہ ادبی ادارہ ’’بزم سخن‘‘ تھا۔ یہ ادارہ بنیادی طور پر مرزا غلام حسین مسگر کی دکان سے معرض وجود میں آیا، جہاں پر تمام شعراء اکٹھا ہوتے تھے۔ اِس ادبی بزم کے بارے میں خاطر غزنوی لکھتے ہیں:’’جس دن مرزا غلام حسین کی دکان شعراء کا مرکز بنی اِسی دن ’’بزم سخن‘‘ کی

بنیاد پڑ گئی تھی'۔[8] محققین لسانیات و ادبیات اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ بزم سائیں احمد علی کی مخلصانہ کوششوں اور ادب نوازی کی بدولت ۱۹۰۳ء میں عمل میں آئی۔ انہوں نے منتشر قوموں کو ایک لڑی میں پرو کر منظم کیا اور اسی ادبی ادارے کا نام ''بزم سخن'' رکھا۔[9] اِس بزم کے ابتدائی اراکین میں غلام حسین مسگر، سائیں احمد علی، سید جگر کاظمی، غلام جیلانی صحیح سالم، سید لال شاہ برق، آغا مسجدی شاہ خادم اور مرزا غلام عباس کا نام قابل ذکر ہے۔[10] اِس ادبی ادارے پر جگر کاظمی نے ایک غزل ترتیب دی، جس سے اِس بزم سے منسلک شعراء کا پتہ چلتا ہے۔

چلی کچھ ایسی ہوائے بہار بزم سخن
چہک رہے ہیں ہر اِک سو ہزار بزم سخن
نہ پہنچے عرش پہ کیونکر دیار بزم سخن
جناب میر جو ہوں تاجدار بزم سخن
جناب خادم و بیدل بھی اور خالص بھی
جناب سائیں کہ ہیں افتخار بزم سخن
جناب داغ و امیر و جلال کے پیرو
ہزار جان سے ہیں جنبہ دار بزم سخن
وہ بندشیں وہ تراکیب اور وہ مضمون
وہ با محاورہ اُردو ہے ہار بزم سخن
جناب نشتر و سعدی قضا و فاروقی
ہے جن کے دم سے رواں آبشار بزم سخن
فدا و بسمل و جعفر، ضیاد ناضرو نزر
مہکتا جن سے ہے یہ لالہ زار بزم سخن
جناب سبز علی خان کہ جن کی برکت جود
سدا رہی ہے مددگار و یار بزم سخن
قمر وہ برق و مشتاق و شوق، وہ فیروز

وہ برگ و حضرت رعنا وقار بزم سخن
جناب مسگر و عاصی و شاطر ذی جاہ
الٰہی بخش انہیں تھے وہ یار بزم سخن
جناب میر و امانت وہ خوش گلو شاعر
بجا ہے ان کو کیوں موسیقار بزم سخن[۱۱]

اُردو زبان و ادب کو بامِ عروج پر پہنچانے کی خاطر ''بزم سخن'' نے بے شمار ادبی اور تنقیدی نشستوں اور مشاعروں کا اہتمام کیا۔ اِن مشاعروں میں کئی ایسے مشاعرے بھی منعقد ہوئے جنہوں نے ملک گیر شہرت پائی اور اس کی بازگشت برسوں سنائی دیتی رہی۔ لوگ جوق در جوق مشاعروں میں شریک ہوتے اور محفلوں کو چار چاند لگاتے تھے۔ لوگوں کی دلچسپی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کو تفریح کیلئے کوئی خاص بندوبست میسر نہ تھا۔ سینما تھیٹر جیسا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ اس لیے صرف مشاعرے ہی عوامی تفریح کا واحد ذریعہ تھے۔ مشاعرے کا سنتے ہی لوگ پھولے نہ سماتے اور مشاعرے میں جگہ پانے کیلئے دوڑ پڑتے۔[۱۲] فارغ بخاری لکھتے ہیں: ''مشاعرے کا سن کر سارا شہر ٹوٹ پڑتا، لوگ نئے نئے کپڑے پہن کر اور یوں بن ٹھن کر آتے جیسے کسی میلے پر جا رہے ہوں۔ مشاعرے سے تین تین چار چار گھنٹے پہلے آ کر اپنی نشستیں محفوظ کر لی جاتیں۔''[۱۳]

''بزم سخن'' نے سترہ برس تک ایک نمایاں انجمن کی حیثیت سے کام کیا۔ اس میں بہت سارے نئے شعراء شامل ہوئے۔ جنہیں اپنی صلاحیتیں اس پلیٹ فارم کے ذریعے اُجاگر کرنے کا موقع ملا۔ اِن شعراء میں میر عباس میر، سید شیرازی، امانت علی امانت اور ضیاء جعفری کے نام شامل ہیں اور اس طرح کئی دوسرے شعراء بھی اِس بزم سے آ ملے۔ اِن میں قمر علی قمر سرحدی اور سردار عبدالرب نشتر جیسے سر برآوردہ بھی اس بزم کا حصہ بنے اور یوں یہ لوگ ''بزم سخن'' کو لیے قافلے کی صورت آگے بڑھتے گئے۔ کئی نشیب و فراز آئے کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں، مگر یہ قافلہ اپنی منزل کی جستجو میں سرگرداں رہا اور اُردو زبان و ادب کی نشر و اشاعت کا مؤثر ذریعہ بنا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ یہ ادارہ بام عروج پر پہنچنے کے بعد خستہ حالی کا شکار ہو گیا جس کی بنیادی وجہ آپس میں نفاق اور ناچاقی تھی۔[۱۴] خاطر غزنوی لکھتے ہیں: ''۱۹۲۰ء میں ایک شعلہ مستعجل اُٹھا کہ اس کی جوانی اور عملی قوت نے ''بزم سخن''

پر ایک کاری ضرب لگائی یہ فعال جوان قمر علی سرحدی تھا جس نے کوچہ رسالدار میں ایک ہوٹل کھول کر شعراء کو اپنی طرف کھینچا۔ ''بزم سخن'' سے بعض اختلاف کے پیش نظر قمر سرحدی نے خالص مکی اور چند دوسرے ساتھیوں کی معیت میں ''لطف سخن'' کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی اور اس طرح ''لطف سخن'' کا ظہور ہوا''۔[۱۵]

خیبر پختونخوا میں دوسرا باقاعدہ ادبی ادارہ یا انجمن ''لطف سخن'' تھی، جس کا قیام قمر علی سرحدی کی وساطت سے ۱۹۲۰ء میں عمل میں لایا گیا۔ پہلے پہل ''لطف سخن'' کے قیام کا مقصد صرف ''بزم سخن'' کی اجارہ داری کو توڑنا تھا۔ دوسری بنیادی وجہ ذاتی اختلافات بنے۔ جو اراکین ''بزم سخن'' کے درمیان پیدا ہو گئے تھے اس لیے ان اختلافات کے پیش نظر قمر سرحدی نے خالص مکی اور دوسرے ساتھیوں کو راغب کر کے اپنے ساتھ ملایا اور یوں باقاعدہ ''لطف سخن'' کے نام سے نئی انجمن کی بنیاد رکھی۔ ان دونوں انجمنوں کے درمیان رقابت کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ ''لطف سخن'' کی بڑھوتری کو دیکھتے ہوئے ''بزم سخن'' بھی اپنے دفاع میں فعال ہونا شروع ہوئی۔ اس کے اراکین ایک بار پھر برسرِ پیکار ہو کر سرگرم عمل ہو گئے۔ اور یوں دونوں انجمنوں نے مورچہ زن ہو کر ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ اس چپقلش میں ''بزم سخن'' کا پلّہ بھاری رہا کیونکہ اس بزم کے بعض نوجوان شعراء کی شبانہ روز محنتوں سے یہ بزم ایک بار پھر عروج پر پہنچ گئی۔ ان شعراء میں جعفر علی جعفر، سردار عبدالرب نشتر، سید ضیاء جعفری اور میر امانت علی امانت کے نام نمایاں تھیں۔ اس کے برعکس ''لطف سخن'' نے جب دیکھا کہ ''بزم سخن'' پہلے سے زیادہ فعال اور مضبوط ہوگئی تو اس نے ایک دوسرا حربہ یہ استعمال کیا کہ باہر سے آئے ہوئے شعراء کو اپنے ساتھ ملایا تا کہ یہ بزم ان لوگوں کے شامل ہونے سے مقبول بھی ہو اورفعال بھی۔ باہر سے جو شعراء ''لطف سخن'' میں شامل ہوئے ان میں عیش فیروز پوری، اسلامیہ کالج لاہور کے فارسی زبان کے پروفیسر مولانا امیر احمد میر مینائی کے نام نمایاں تھے۔[۱۶]

معرکہ آرائیوں کا سلسلہ بدستور دونوں انجمنوں کے درمیان جاری رہا۔ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی لگن میں شبانہ روزمحنت دونوں طرف ہوتی رہی۔ جس کا بالواسطہ اثر اُردو ادب پر پڑا اور بہترین ادب تخلیق ہوتا رہا۔ نئے شعراء کی حوصلہ افزائی یہی ادارے کرتے تھے۔ ''لطف سخن'' کو بالآخر ''بزم ادب'' میں بدلنے کا سہرا شاہد کیانی کو جاتا ہے۔ اُس نے جہاں ''لطف سخن'' کا نام بدل کر

''بزم ادب'' رکھا، وہاں اس بزم کو نیا پلیٹ فارم بھی عطا کیا اور ہنگامہ پرور تقریبات کا آغاز بھی کر دیا۔ اس طرح ایک بار پھر دونوں انجمنوں میں مقابلہ شروع ہو گیا۔ مشاعرے جوش و خروش کے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف پھر سے ادبی ذوق لئے صف آراء ہو گئے۔ خاطر غزنوی کے مطابق ''پشاور کی ادبی انجمنوں کی آپس میں چپقلشوں سے ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے اراکین فعال ہو گئے اور شعر و ادب کا ذوق پھیلا اور کئی ایسے نئے شعراء و ادباء ابھرے جو بعد میں ملک گیر شہرت کے مالک ہوئے۔''۱۷

اُردو زبان و ادب اِن ادبی انجمنوں، مجلسوں، محفلوں اور مشاعروں ہی کی بدولت رفتہ رفتہ ترقی کی منازل طے کرتا گیا۔ ''بزم افکار'' اِن انجمنوں کی ایک کڑی ہے جو کہ پشاور چھاؤنی میں ۱۹۲۶ء میں وجود میں آئی۔ اس انجمن کے سرکردہ اراکین میں سے رضا بریلوی، عزیز صہبائی، عباس اثر اور مقامی شعراء میں سے ناطق درانی اور سید ذوالفقار علی بخاری کے نام نمایاں تھے۔ ان شعراء میں سے اکثر غیر مقامی شعراء تھے، جو دراصل پشاور چھاؤنی میں انگریزوں کے گھریلو ملازم تھے یا کسی دوسرے کام کے سلسلے میں پشاور آئے تھے۔ یہ بزم بڑی فعال ہوئی اور کئی بڑے بڑے مشاعرے کرائے، باہر سے شعراء کو مدعو کیا۔ خاص طور پر حفیظ جالندھری نے اِس بزم کو اپنے مخصوص لہجے اور دِل نشیں ترنم سے مقبول بنایا تھا۔۱۸

اللہ بخش یوسفی اور نذیر مرزا برلاس جیسے جدت پسند ادیبوں نے ۱۹۳۳ء میں محمد علی کلب کی داغ بیل ڈالی۔ کلب کے زیر اہتمام بہت اچھے مشاعرے ہوئے جن کی یاد برسوں دلوں سے محو نہ ہو سکی۔ اس ادارے کا سب سے بڑا کارنامہ لائبریری کا قیام تھا، جس سے کافی فوائد حاصل ہوئے۔ اس لائبریری نے نوجوان اہل قلم کے دلوں میں علم و ادب کی محبت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کلب میں جو شعراء ادیب شامل ہوئے وہ نئی سوچ کے حامل اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ تبدیلیوں کے خواہش مند تھے اور قدرے دقیانوسی خیالات و احساسات اور فکر و نظر کو پس پشت ڈال کر نئی اُمنگوں کو لیے خاصے مطمئن تھے اور اسی لیے وہ اس جدت پسند ادارے میں شامل ہوئے۔ اگرچہ محمد علی کلب، میں شامل شعراء و ادبا خوشگوار تبدیلیوں کے خواہش مند تھے، جو دور جدید کے تقاضوں کے عین مطابق ہوں جب مگر اُن کی یہ اُمیدیں بر نہ آئیں تو وہ بہت مایوس ہوئے اور اِس طرح یہ

کلب زیادہ عرصے تک اپنا وجود قائم نہ رکھ سکا۔[۱۹]

اُردو زبان و ادب کے فروغ میں جن اداروں نے اہم کردار ادا کیا ہے، اُن میں ''دائرہ ادبیہ'' کا نام روشن تارے کی مانند ہے۔ اس ادارے کی تشکیل اکتوبر ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ اِس ادارے کے بانیوں میں نئے اور ترقی پسند رُجحانات کے مالک ضیا جعفری، نذیر مرزا برلاس، رضا ہمدانی، سید مظہر گیلانی اور عبدالودود قمر کے نام شامل ہیں۔ اس ادارے کے قیام کے بارے میں رسالہ آہنگ کچھ اس طرح رقم طراز ہے۔''دائرہ ادبیہ کا قیام ۱۹۳۵ء میں عمل میں لایا گیا۔ یہ ادبی ادارہ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد سے ملحق تھا۔ جب دائرہ ادبیہ کی بنیاد پڑی تو اس کا دفتر قصہ خوانی پشاور کے ایک بالاخانے میں تھا بعد میں یہ محلّہ شاہ ولی قتال میں منتقل ہو گیا''۔[۲۰] ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو معرض وجود میں آنے والے اس ادبی ادارے کے بانیوں میں ضیا جعفری، نذیر مرزا برلاس، عبدالودود قمر، امیر انور ضیائی اور سید مظہر گیلانی شامل تھے۔''دائرہ ادبیہ'' کا پہلا باقاعدہ اجلاس ۳ نومبر ۱۹۳۵ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں دائرہ ادبیہ کے صدر، نائب صدر اور مجلس عاملہ کے اراکین کا چناؤ کیا گیا۔[۲۱] صدر اور نائب صدر ''دائرہ ادبیہ'' کے جذبات نے اس ادبی ادارے کو بام عروج پر پہنچایا۔''دائرہ ادبیہ'' کے صدر ضیا جعفری خیبر پختونخوا کی سر برآوردہ شخصیت تھے۔ آپ کا اصل نام سید عنایت علی شاہ جعفری اور ضیاء تخلص تھا، جبکہ ادبی حلقوں میں آپ سید ضیاء جعفری کے نام سے مقبول تھے۔ آپ کو شروع ہی سے شعر و ادب سے دلچسپی و رغبت تھی، اس لیے ان کے کلام میں پختگی اور دوام موجود تھا۔ تصوف سے قریبی رغبت کی وجہ سے ان کے کلام میں تصوّفانہ حکایات و فلسفہ جا بجا موجود ہے۔ آپ نے دنیائے شعر و ادب میں ایک خاص مقام حاصل کیا اور اس فن کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف رہے۔ تکنیک کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے آپ نے نئے نئے تکنیکی تجربات سے زبان اور ہیئت کے اُفق کو وسیع کیا تاکہ شاعری میں جدّت پیدا ہو اور ''دائرہ ادبیہ'' سے منسلک شعراء و ادباء کو اس کی پیروی کرنے پر بھی زور دیا۔ زبان و ادب کی بے لوث خدمت کرنے کی وجہ سے بالآخر آپ کو''خیام سرحد'' کے لقب سے نوازا گیا۔ جو آپ کی علمی اور ادبی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔[۲۲] ضیا جعفری کی طرح نائب صدر ''دائرہ ادبیہ'' ڈاکٹر نذیر مرزا برلاس بھی اِس ادارے کے مؤسسین میں قد آور شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کا تعلق مغلوں کے مشہور قبیلے برلاس سے تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی فکر و نظر

اور احساسات شروع ہی سے جدت پسند تھے۔ پروفیسر کلیم آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:''طرح نو کا مقدمہ لکھنا ضروری ہے اس لیے کہ یہ جدید شاعری کی چڑھتی ہوئی ندی کی ایک ممتاز لہر ہے۔ اس کا وجود ایک انقلاب کا حصہ ہے۔ نذیر مرزا برلاس بھی ان انقلابی شعراء میں سے ہیں، جنھیں کسی قوم کے ادب میں طرح نو ڈالنے کا فخر حاصل ہوتا ہے''۲۳ طرح نو آپ کا شعری مجموعہ ہے جو آپ کی زندگی میں چھپ چکا تھا۔ اس شعری مجموعے سے ان کی شعر تک رسائی اور رومانیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس رومانیت اور جدت پسندی کی بنیادی وجہ ڈاکٹر صاحب کی مغربی علوم سے گہری دلچسپی اور مغربی شعراء خاص طور پر ورڈز ورتھ، کیٹس اور شیلے کی کتابوں کا مطالعہ تھا۔ آپ زندگی کے ابتدائی دور میں ضیاء جعفری سے متعارف ہوئے اور تا حیات ان سے قلبی تعلق رہا۔ اس لیے جب ضیا جعفری نے ''دائرہ ادبیہ'' کی بنیاد رکھی تو ڈاکٹر صاحب سب سے نمایاں اور پیش پیش تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے خیبر پختونخوا میں نظم کی طرح نو ڈالی اور اُن کی دلکش رومانی نظموں نے نوجوانوں کے رجحانات کو جدیدیت سے آشنا کیا۔ درجہ ذیل سطور میں ان کی ایک پیاری نظم ''رنگین وادی'' سے اقتباس ہے، جو وہ شاید خیبر پختونخوا کی طرف اشارہ کر کے لکھتے ہیں:

اُفق کے اس پار کہتے ہیں ایک رنگین وادی ہے
وہاں رنگینیاں کہساروں کے دامن میں سوئی ہیں
گلوں کی نکہتیں پرچار سو آوارہ ہوتی ہیں
وہاں نغمے صبا کی نرم روحوں میں رہتے ہیں
وہاں آب رواں میں مستیوں کے رقص بہتے ہیں
وہاں ہے ایک دنیائے ترنم آبشاروں میں
وہاں تقسیم ہوتا ہے، تبسم لالہ زاروں میں
سنہری چاند کی کرنیں وہاں رات کو آتی ہیں
وہاں پریاں محبت کی خدا کے گیت گاتی ہیں
کنار آب حُسن و عشق باہم سیر کرتے ہیں
گئی گزری غلط فہمی کا ذکر خیر کرتے ہیں

وہاں کے رہنے والوں کو گناہ کرنا نہیں آتا
ذلیل و مبتذل جذبات سے ڈرنا نہیں آتا
وہاں اہل محبت کو نہ کوئی نام دھرتا ہے
وہاں اہل محبت پر نہ کوئی شک کرتا ہے
محبت کرنے والوں کو وہاں رسوا نہیں کرتے
محبت کرنے والوں کا وہاں چرچا نہیں کرتے
ہم اکثر سوچتے ہیں تنگ آ کر کہیں چل دیں
مری جاں اے مرے خوابوں کی ملکہ چل وہیں چل دیں
اُفق کے اُس پار کہتے ہیں اک رنگین وادی ہے[۲۴]

خیبر پختونخوا میں اِس ادبی ادارے کے قیام کے بعد صوبے کے شعراء و ادباء اس ادارے کے پرچم تلے جمع ہونا شروع ہو گئے اور شعر و ادب کو جدید خطوط پر استوار کرنا شروع کیا۔ یہ دور زرخیز ثابت ہوا اور جدت کی بہاریں لاتا دکھائی دیا، اور یہاں سے ہی ادب میں ترقی پسندانہ رجحانات کا آغاز ہوا، پرانی قدروں کی بجائے نئی اقدار کو فروغ ملا۔ اس ادارے کے زیر اہتمام ادبی اجتماعات ہونے لگے، جہاں نظم، ڈرامے، افسانے اور مقالے پیش کئے جاتے تھے، اس طرح ادب میں نئی سوچ کا احساس اُبھرا۔ نو آموز شعراء و ادباء کی فنی تربیت بھی ہونے لگی۔ اس ادارے نے کئی معرکہ آراء مشاعروں کا انعقاد کیا، جنھوں نے بڑی شہرت اور دوام حاصل کیا اور ان مشاعروں میں پڑھے گئے شعر برسوں تک سامعین کے دِل و دماغ کو گرماتے رہے اور ایک زمانے تک اُن کی گونج سنائی دیتی رہی۔ اس ادارے کا کمال یہ تھا کہ اس نے قدیم انداز کو تبدیل کر کے طرحی شاعری کی بنیاد ڈالی اور یوں شعراء کو آزاد ادبی ماحول میسر آیا۔[۲۵] شعر و شاعری میں اس ادارے نے جو رنگینیاں پیدا کیا وہ ہر لحاظ سے مسلّم ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ اس نے نثر پر خصوصی توجہ دی اور ایسی حسین توانائی پیدا کی جس کی بدولت ایسی تخلیقات منظر عام پر آئیں جو دنیائے شعر و ادب میں لازوال شاہکار کے طور پر اپنی اہمیت ثابت کر چکی ہے، ''دائرہ ادبیہ'' کے اراکین نے نثر میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے، اس سے پہلے کسی دوسرے ادبی ادارے کو یہ اعزاز نصیب نہ ہو سکا، جو ''دائرہ ادبیہ'' کو حاصل ہوئی۔ اس ادارے

سے منسلک اہل قلم نے افسانہ اور ڈرامہ میں بھی نام پیدا کیا۔ افسانہ نگاروں میں اسیر انور ضیائی، خواجہ عبدالطیف، شمیم بھیروی، حبیب ایشائی، انور ضیائی، سید مبارک حسین عاجز، فارغ بخاری، سید مظہر گیلانی اور نذیر مرزا برلاس کے افسانوں نے کافی شہرت حاصل کی۔ اس طرح ڈرامہ نگاروں میں سید مظہر گیلانی اور خاطر غزنوی نے خاصی شہرت پائی۔[۲۶]

تاریخی نقطہ نظر سے خیبر پختونخوا میں اُردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کی رفتار کسی بھی صورت میں کسی دوسرے خطے یا صوبے سے کم نہیں رہی۔ بلکہ تمام اصناف ادب پر بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے۔ یہ سلسلہ کہیں رکتا نہیں بلکہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خیبر پختونخوا کے ادبا و شعراء نے اُردو ادب کی ترقی و ترویج اور تصنیف و تالیف میں بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ صوبہ خیبر پختونخوا ادب کے میدان میں شروع ہی سے نمایاں اور پیش پیش ہے۔ اس خطہ زمین نے جہاں پشتو ادب، شعر و شاعری میں نام کمایا، وہاں پر اُردو ادب و زبان میں بھی کافی مہارت حاصل کی۔

حوالہ جات

۱۔ سید علی اکبر شاہ، ''دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات؛ تحقیقی و تنقیدی جائزہ''، غیر طبع تحقیقی مقالہ ایم فل اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۹۶-۱۹۹۵ء، ص۴۔

۲۔ فارغ بخاری، ادبیات سرحد، جلد سوم، نیا مکتبہ محلّہ خداداد، پشاور، ۱۹۵۵ء، ص۱۳۱۔

۳۔ اسلامیہ کالج پشاور کا سنگِ بنیاد صاحبزادہ، عبدالقیوم نے رکھا۔ اس ادارے کی علمی و ادبی خدمات کو کسی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کالج جس زمانے میں قائم ہوا خیبر پختونخوا کی تعلیمی حالت دگرگوں ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں تعلیمی شعور کا بھی فقدان تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کالج نے اس فقدان پر قابو پایا اور معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ بحوالہ سید علی اکبر شاہ،'' دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات''، ص۱۲۔

۴۔ محمود الحسن کوکب، ''پشاور کی ادبی محفلیں''، ماہنامہ زندگی، جلد۱۳، شمارہ ۲۰، اکتوبر ۱۹۵۳ء، ص۲۱۔

۵۔ ہفت روزہ، تنویر، ۱۹۴۸ء میں منظر عام پر آگئی۔ اس کے مدیر اعلیٰ وزیر محمد صدیق تھے اور کئی برسوں تک شائع ہوتا رہا۔ بحوالہ سید علی اکبر شاہ،''دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات''، ص۱۳۔

۶۔ خیبر پختونخوا سے جو دوسرے رسائل و جرائد شائع ہوتے رہیں اُن میں درج ذیل قابل ذکر ہیں۔ ہفت روزہ بانگِ حرم پشاور، ماہنامہ اشتیاق پشاور، ماہنامہ تشکیل پشاور، ہفت روزہ آج کل پشاور، ماہنامہ قندمردان، ماہنامہ الحسن پشاور، پندرہ روزہ ادبی پرچہ شاداب پشاور، ماہنامہ پاک دامن بنوں، فلمی ماہنامہ دیدور ہمدم کوہاٹ، ہفت

روزہ ہلال نو بنوں، پیام نوڈیرہ اسماعیل خان، ہفت روزہ نوجوان سرحد ہری پور، ہفت روزہ جمہور ایبٹ آباد، ترجمان سرحد پشاور، ہفت روزہ نقیب ایبٹ آباد، سہ روزہ آزادی پشاور، ہفت روزہ پیغام سرحد ہری پور، ہفت روزہ قیادت مردان، ہفت روزہ ابلاغ پشاور، ہفت روزہ مظلوم دنیا پشاور، ہفت روزہ رہبر مردان، ہفت روزہ الوحدت پشاور، ہفت روزہ پیام عمل پشاور، ہفت روزہ نوائے ملت مردان، روزنامہ سرحد پشاور، روزنامہ بانگ حرم پشاور، الفلاح پشاور، ہمارا پاکستان پشاور، ترجمان افغانی پشاور، الجمعیت پشاور، ایضاً، ص ص ۱۴-۱۳۔

۷- خاطر غزنوی، ''ادبی انجمنیں اور صوبہ سرحد''، گل بکف، ۴ بزم علم و فن اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۴۸۔

۸- ایضاً، ص ۵۵۔

۹- فارغ بخاری، ادبیات سرحد، ص ۸۰۔

۱۰- ''بزم سخن'' میں بعد میں شامل ہونے والوں میں درجہ ذیل نام قابل ستائش ہیں۔ مستری خالص کمی، فتح شاہ نشتر، قاضی محمد عمر قضاء، سید ضیاء جعفری، قمر علی سرحدی، فدا علی فدا، محمد علی شاہ، کوکب تبریزی، امانت علی امانت، سید شیرازی، ناصر علی خان، سردار عبدالرب نشتر، رضا ہمدانی، بحوالہ سید اکبر علی شاہ، ''دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات''، ص ۳۱۔

۱۱- خاطر غزنوی، ''ادبی انجمنیں اور صوبہ سرحد''، ص ۵۶۔

۱۲- سید اکبر علی شاہ، ''دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات''، ص ص ۳۴-۳۳۔

۱۳- فارغ بخاری، ادبیات سرحد، ص ۸۱۔

۱۴- سید اکبر علی شاہ، ''دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات''، ص ص ۳۵-۳۴۔

۱۵- خاطر غزنوی، ''ادبی انجمنیں اور صوبہ سرحد''، ص ۵۷۔

۱۶- سید اکبر علی شاہ، ''دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات''، ص ص ۳۶-۳۵۔

۱۷- خاطر غزنوی، ''ادبی انجمنیں اور صوبہ سرحد''، ص ۵۸۔

۱۸- ''بزم افکار'' کے مشاعروں کی وجہ شہرت حفیظ جالندھری کا نام نامی تھا۔ جنہوں نے اس بزم کی رونق میں اضافہ کئے رکھا۔ بحوالہ سید اکبر علی شاہ، ''دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات''، ص ص ۴۰-۳۹۔

۱۹- ایضاً، ص ص ۴۲-۴۱۔

۲۰- ماہنامہ آہنگ، پاکستان براڈکاسٹنگ کارپوریشن کراچی، شمارہ ۲۲، جلد ۳۰، نومبر ۱۹۷۵ء۔

۲۱- ''دائرہ ادبیہ'' کے مجلس نے جناب سید عنایت علی شاہ ''ضیا جعفری'' کو صدر ''دائرہ'' اور جناب سید مبارک حسین عاجز کو نائب صدر جبکہ جناب سید شریف حسین شاکر ''شاکر بغدادی'' جناب عبداللطیف لطف، جناب فضل محمود مسلم، جناب حافظ عبدالرشید راشد اور جناب محمد انور اسیر ضیائی کو مجلس عاملہ کے اراکین کے طور پر منتخب کر لیا۔ جبکہ ناظم اور خزانچی بالترتیب جناب عبدالودود قمر اور جناب سردار غلام نبی خان درانی منتخب قرار پائے۔ بحوالہ سید اکبر علی شاہ ''دائرہ ادبیہ سرحد کی ادبی خدمات'' ص ص ۴۷-۴۵۔

۲۲- ایضاً، ص ص ۵۰-۴۸۔

۲۳- ایضاً، ص ۵۱۔

۲۴- ایضاً، ص ص ۹۸-۹۷۔

۲۵- ایضاً، ص ص ۵۲-۵۱۔

۲۶- ایضاً، ص ص ۵۶-۵۵۔